امام ابو حنیفہؒ

نام، نسب، ولادت

نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم تھا۔ امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا جیسا کہ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے۔ یہ کنیت وصف کے اعتبار سے ہے یعنی ابو الملۃ الحنیفہ ، قرآن مجید میں خدا سے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے ایسے امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔

آپ کا شجرہ نسب ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ زوطی امام صاحب کے دادا تھے۔ جو فارسی نسل سے تھے۔۔ غالباً زرعی ہی زمانہ میں اسلام لائے اور عرب کا رخ کیا یہ جناب امیر رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے زمانہ تھا۔ اور شہر کوفہ دارالخلافہ ہونے کا شرف رکھتا تھا۔ اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہی سکونت اختیار کی ۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ آپ کا خاندان غلام تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جب زوطی فارس سے کوفہ ہجرت کر گئے تو معاشرت کی ضرورتوں نے انھیں مجبور کیا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں۔ عرب میں اس تعلق کو ولا کہتے تھے جس کا مشتق مولا ہے، مولا غلام کو بھی کہتے ہیں، اسی طرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا، اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہو گیا ۔

امام اعظم کے والد ثابت کوفہ ہی پیدا ہوئے۔ زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا، آپ نے بندگانہ شفقت فرمائی اور ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں خیر کی دعا فرمائی ثابت کے حالات زندگی کے بارے میں زیادہ معلوم تو نہیں تجارت کے زریعہ زندگی بسر کرتے تھے چالیس برس کی عمر میں فرزند عطا کیا، جس کا نام والدین نے نعمان رکھا بعد میں زمانہ نے امام اعظم کے لقب سے پکارا۔

صحابہ کی زیارت

یہ بات معلوم ہے کہ امام کے زمانے میں صحابہ کرام موجود تھے۔ امام صاحب 80 ہجری میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور انس بن مالک نے جو رسول اللہ کے خادم خاص 93 میں وفات پائی ۔ سہل بن سعد نے 91ھ میں انتقال کیا ،اور ابو طفیل عامر بن واثلہ تو 110 ہجری تک زندہ رہے۔ ان کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ البتہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام سے روایت نہیں کی ہیں۔ صحابہ سے روایت نہ کرنے کی وجہ کے بارے میں محدثین میں باہم اختلاف ہے۔ کوفہ کے محدثین کے ہاں اس بات کی احتیاط کی جاتی تھی کہ بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک چونکہ مطالب کے سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے، غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابو حنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔

تابعیت کی بحث

امام ابو حنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا کہ انہوں نے صحابی حضرت انسؓ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بعض لوگوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نہیں بات نہیں ،پہلے بھی لوگوں کو شبہ ہما تھا، لیکن محدثین نے جن کو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنے کا زیادہ حق حاصل ہے، امام کے موافق فیصلہ

کیام حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہیں فتویٰ لیا گیا تھا، انہوں نے یہ جواب لکھا، امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں کئی صحابہ موجود تھے اس لئے کہ امام 80ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ ابن سعد نے یہ بات روایت کی ہے جس کی سند میں کچھ نقصان نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے انسؓ بن مالک کو دیکھا تھا پس اس لحاظ سے امام ابو حنیفہؒ تابعین کے طبقہ میں ہیں۔

تحصیل علم، شیوخ اور اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب تھا، حجاج بن یوسف خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا، اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کے حجاج ۹۵ھ میں مر گیا اور مزید کچھ حکمرانوں کے بعد عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر بیٹھے اور تمام ملک میں عدل و انصاف، علم و حمل، خیر و برکت کی جان تازہ ڈال دی۔ غرض حجاج اور ولید کے حد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی طرف وتوجہ ہونے کی ور غبت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی، اس لیے خزبانی کا کارخانہ قائم کیا۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن بازار جا رہے تھے، امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے، سامنے سے گزرے۔ انھوں نے آپ کو پاس بلایا اور پوچھا تم کس سے پڑھتے ہو؟ انھوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں۔ شعبی نے کہا مجھے تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں، تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو، اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔

مختلف علوم سے دلچسپی

امام ابو حنیفہ قدرتی ذہانت اور مذہبی روایتیں اور مسائل کوفہ میں ایسے عام تھے کہ بڑے بڑے اساتذہ فن بحث کرنے میں ان سے جی چراتے تھے اباضیہ، صفریہ، حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں، اور ہمیشہ غالب رہے آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اس کی نذر کر دی۔

امام صاحب کا بیان ہے کہ جب سے تحصیل پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں، سب سے پہلے کلام کا خیال آیا، ساتھ ہی دن میں گذرا کہ وہ کوہ کندن وکاہ بر آوردن ہے۔ ایک مدت کی محنت و درد سری کہ بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں، ادب اور قرات کا بجز اس کے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ حدیث کے لیے اولاً تو ایک مدت درکار تھی، اور ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں، آخر فقہ پر نظر پڑی اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں، لہٰذا اسی کو ترجیح دی۔

حماد کی شخصیت اور بزرگی

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت تھے، حضرت انسؓ عنہ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے، حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اس وقت کوفہ میں انہی کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استاد کے لیے انہی کو انتخاب کیا اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ اُستاد کسی خاص مسئلہ پر گفتگوں کرتا تھا، جس کا شاگرد یاد کر لیتے، اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دے دیا کہ ابو حنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔ امام صاحب خود روایت کرتے ہیں کہ کسی ضرورت سے حماد کو بصرہ جانا پڑا اور مجھ کو اپنا جانشین کر گئے تھے، تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسائل پیش آئے جن میں استاد سے میں سے کوئی روایت نہیں سنی تھی۔ اس لیے اپنے

اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاط کے لئے ایک یادداشت لکھتا گیا، دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے میں نے وہ یادداشت پیش کی، کل ساٹھ مسائل تھے، ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمھارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق نہ چھوڑوں گا۔

امام صاحب اور تحصیل حدیث

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی، حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے۔ تاہم دو برس تک حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتے رہے، فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی یہاں صرف ذہانت اور اشتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ روایت کے ساتھ کی بھی ضرورت تھی۔

یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ کُوفہ امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا۔ جناب فاروق رضی اللہ عنہ کُوفہ کو خدا کا علم ایمان کا خزانہ عرب کا سر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اس شہر کو دارالخلافہ قرار دیا، صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس اشخاص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے، وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کرلی اور ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث وروایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کُوفہ کا ایک ایک حدیث و روایت کا درسگاہ بن گیا تھا۔

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کُوفہ کا ہمسر تھا سفیان بن عیینہ جرائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کے لیے مکہ قرآت کے لیے مدینہ اور حلال و حرام یعنی تفقہ کے لیے کُوفہ ہے۔

علم حدیث اور مسئلہ روایت ودرایت

کوفہ میں تقریباً کوئی ایسا محدّث باقی نہ تھا جس کی شاگردی آپ نے اختیار نہ کی ہو اور حدیثیں نہ سیکھیں ہوں۔ کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی، جن میں انیتس ۲۹ شخص کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ان میں اکثر تابعی تھے شیوخ کُوفہ میں خاص کر امام شعبی، سلمہ بن کہیل، مہارب بن دثار، ابو اسحاق سبعی، عون بن عبد اللہ، سماک بن حرب عمرہ بن مرہ، منصور العمر، احمش، ابی امیم بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری، عطار نب السائب، موسیٰ بن ابی عائشہ، علقمہ بن مرثد، بہت بڑے محدث اور سند وروایت کے مرجع عام تھے، سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ مند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچتا ہے اور ان میں سے اکثر تابعین تھے۔ امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابو حنیفہ کو تحصیل ان کی رغبت دلائی تھی، بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق، عرب، شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے، ان میں ایک یہ تھے۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت شعبہ

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدّث تھے، دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے فن حدیث میں ان کو امیر المومنین مانا ہے، عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح وتعدیل کے مراتب مقرر کیے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا، شعبہ کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا۔ یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے اُستاد تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں، فرمایا کہ شعبہ

نے ان حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں ،بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابو حنیفہ نے حدیث روایت کی ان عبد الکریم بن اُمیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں ۔

حرمین کے حلقہ دروس

امام ابو حنیفہ کو اگر چہ ان درسگاہوں سے حدیث ابڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضروری تھا، جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے، تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سن میں واقع ہوا، تاہم ظن غالب ہے کہ جب انھوں نے حرمین کا سفر کیا، تو تحصیل کا آغاز تھا۔

جس امانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے، درس و تدریس کا نہایت زور تھا، متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے، اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے، الگ الگ درسگاہ قائم تھی، ان میں عطار بن ابی رباح کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا، عطا مشہور تابعی تھے ,اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے، اور ان کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔

امام ابو حنیفہ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا تو امام نے کہا۔ میں اسلاف کو بڑا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا، قضاو قدر کا قائل ہوں، عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہوا کریں، روز بروز ان کی ذہانت وطباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب یہ حلقہ درس میں جاتے تو عطا اوروں کر ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔ عطا جب تک زندہ رہے تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جب سے امام نے حدیث کی سند لی ان میں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے کم و پیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں۔

فقہائے سبعہ

اسی زمانہ میں یعنی ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابو حنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن کیا اور نبوت کا اخیر قرار گاہ تھا، صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ وحدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی۔

امام ابو حنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے، سلیمان و سالم بن عبد اللہ، سلیمان حضرت میمونہؓ کے جو رسول کی ازواج مطہرات میں سے تھیں۔ امام ابو حنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں، حج میں اسلامی ممالک کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ آکر جمع ہو جاتے تھے جن عین مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا، امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔

حدیث کی سند

امام اوزاعی اور مکحول شامی شام کے امام المذہب کہلاتے تھے۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا، اور حدیث کی سند لی یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی۔ حج کی تقریب سے امام اوزاعی مکہ گئے تو ابو حنیفہ سے ملاقات ہوئی۔ انہی مسائل کا ذکر آیا، اتفاق سے عبد اللہ ابن المبارک بھی

موجود تھے، جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں ۔ان کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابو حنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنادیا ہے۔

حضرت امام باقر کی خدمت میں

امام ابو حنیفہؒ دوسری بار مدینہ گئے، تو حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ابو حنیفہ سے مخاطب ہو کے فرمایا کہ ہاں تم ہی قیاس کی بناپر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو۔ انھوں نے نہایت ادب سے کہا عیاذ باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے، آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں، پھر گفتگو ہوئی اور آپ علیہ الرحمۃ نے تمام اشکالات ختم کیے۔ گفتگو کے بعد امام باقر ان سے نہایت خوش ہوئے اور اُٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔

اس واقعے کے بعد ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں، شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ اما ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ ممدرح کا فیض صحبت تھا، امام صاحب نے اُن کے فرزند حضرت جعفر صادقؒ کے فیض صحبت سے فائدہ اٹھایا، جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔

امام صاحب کی مقبولیت

یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابو حنیفہ نے طالب علم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا، یا اب یہ نوبت پہنچ کر سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہہ عراق عرب کو جارہا ہے۔ جس شہر یا گاوں میں گزر ہوتا تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا، ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقہ کے لوگ تھے، اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گڑا پڑھتا تھا امام صاحب کے اساتذہ ان کا ان قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ عمرو بن دینار جو مکہ کے مشہور محدث تھے ابو حنیفہ کے ہوتے حلقہ درس میں اور کسی کی طرف خطاب نہیں کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک

امام صاحب امام مالک سے عمر میں تیرہ برس کم تھے، ان کے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام مالک کے سامنے ابو حنیفہؒ کو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے۔ لیکن ہم اس کو شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں، امام مالک بھی ان کا احترام کرتے تھے۔

طریقہ تعلیم کی ترقی

امام صاحب کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان کے آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور با قاعدہ ہو چلا تھا، اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا۔ شعبی امام ابو حنیفہ کے استاد کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے۔

طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی، شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا، شاگرد قلم و دات لے کر بیٹھتے اور استاد جو کچھ روایت کرتا اسی کے الفاظ میں لکھتے جاتے، شائقین کی زیارت کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہو کر وہ الفاظ دور تک بیٹھنے والوں تک پہنچاتا۔

امام صاحب کے شیوخ حدیث

امام صاحب اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ ان کے شیوخ حدیث بے شمار تھے ابو حفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے چار ہزار شیخوں سے حدیث روایت کی ہیں، اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ایسے بہت محدثین گزرے ہیں جن کے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے، لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا، البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے۔

امام صاحب کی تحقیق اور احتیاط

امام ابو حنیفہ کے لیے کثرت شیوخ اس قدر فخر کا باعث نہیں، جتنا کہ ان کی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے، یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جن کو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے، یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے۔ اور اس بات میں وہ اساتذہ کی مخالفت کی کچھ بھی پروہ نہ کرتے تھے۔

امام صاحب کی مسند درس

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا درجہ حاصل کرلیا تھا، عمر بھی کچھ کم نہ تھی، یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و پیش چالیس برس کا سن تھا، تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ استاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں، اگلے زمانہ میں استاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اس کا ابدازہ کرنا بھی مشکل ہے، خود امام سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے، میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔ حماد کی وفات کے بعد آخر موسیٰ بن کثیر نے جو ان کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے ان کی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے، لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اُٹھائی تھیں، چند روز تک حلقہ درس قائم رہا، پھر وہ حج کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔ امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی، اوّل اوّل حماد کے پُرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے، لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کُوفہ کی اکثر درس گاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقہ درس میں آملیں نوبت یہاں تک آپہنچی کہ خود ان کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام امام اعمش وغیرہ ان سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے۔

اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو ان کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو، جن جن مقامات کے رہنے والے ان کی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار نہیں ہو سکتا، لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے، وہ یہ سب ہیں۔ مکہ، مدینہ دمشق، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رقہ، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین بغداد، اہواز۔ کرمان، اصفہان، حلوان، استر آباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامنان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نجارا، سمرقند، کس اصفہان، ترمذ، ہرات، نہستار، الزم، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ، حمص وغیرہ۔ مختصر یہ کہ ان کی استادی کی حدود خلیفہ وقت کے حدود ممالک کے برابر تھے۔

قبولِ خدمت سے انکار

مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر، دلیر، فیاض، خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کس غور سے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے، عراق کے تمام فقہا کو بلا کر ملکی بڑی بڑی خدمتیں دی۔ امام صاحب کو افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا، انہوں نے صاف انکار کیا۔ یزید نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہو گا، ان کے ہم بزرگوں نے بھی سمجھایا، مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ یزید نے غصہ میں آکر یہ حکم دیا کہ ہر روز ان کو دس درے لگائے جائیں، اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی

تاہم وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۶ھ کے آخر تک وہی رہے۔ ابنِ قتیبہ نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا اقتضا کے قبول کرنے پر تھا۔ ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی ان کے لیے تجویز ہوا ہو اور انھوں نے اس سے انکار کیا ہو۔

سیاسی معاملات

عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا، یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھیڑ کر ان ہڈیاں تک جلادی۔ تاہم یہ سلطنت چونکہ نئی تھی اور جابجا بغاوتیں برپا تھی، ان فتنوں کے فرد کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکار ہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی، صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علومین کی پیخ کنی شروع کی، جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ زیادہ نے رحمیاں کی، ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے، جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے۔ آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انھی مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے ٹھورے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا، اور چند دوز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کرلی۔ حتیٰ کے امام مالک نے فتوہ دے دیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی، خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر، قوی بازو، فن جنگ سے واقف تھے، لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے، رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی ابرہیم نے علم خلافت بلند کیا، اور اس سر و سامان سے مقابلہ کیا کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ ابراہیم کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئی، مذہبی گروہ خاص کو علما و فقہا نے عموماً ان کا ساتھ دیا، **۱۴۵ھ** میں ابراھیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی، وہ خود شریک جنگ بھی ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے۔ ابرہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست خائی اور بسرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے۔

امام ابو حنیفہ کے خلاف انتقامی کاروائی

مختلف مہمات سے فارغ ہو کر منصوح ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابرہیم کا ساتھ دیا تھا، ان میں امام صاحب بھی تھے۔ اس وقت تک منصور کا پایہ تخت ہاشمیہ کا ایک مقام تھا، جو کوفہ سے چند میل پر ہے، لیکن چونکہ کوفہ والے سادات تھے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، منصور نے ایک دوسرے کے دار الخلافہ کی تجویز کی، اور بغداد کو انتخاب کیا۔ ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچ کر امام ابو حنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پائے تخت میں حاضر ہوں، وہ بنی امیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ کے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے، منصور نے گو پہلے ہی ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تاہم بہانہ ڈھونڈ تا تھا۔ آپ دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے ان کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے، منصور سے پوچھا تم نے کس سے علم کے تحصیل کی، امام نے استادوں کے نام بتائے جن کا سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا، منصور نے ان کے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا، امام صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا، منصور نے غصہ میں آکر کہا تم جھوٹے ہو امام صاحب نے کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں، کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں ہو سکتا۔

عہد قضا سے انکار

یہ تو ایک منفی لطیفہ تھا، لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتے تھے، انھوں نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں، یعنی یہ کہ اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں، میں عربی النسل نہیں ہوں، اس لئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی، درباروں کی تنظیم کرنی پڑے گی اور یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تم کو قبول کرنا ہوگا، امام صاحب نے قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کروں گا، اس جرأت اور بے باکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا، ربیع نے کہا، ابو حنیفہ " تم امیر المومنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو، امام صاحب نے فرمایا" ہاں۔" کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفار ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔"

قید

خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دارالقضا میں جاکر بیٹھے، ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں قرضہ کا دعوٰی تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے، مدعا علیہ سرے سے انکار تھا، امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا کہ تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا۔ وہ تیار ہوگیا۔ ابھی اس نے "واللہ" کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر رک دیا اور آستین سے کچھ روپے نکال کر مدعی کے حوالے کئے کہ تم اپنا قرض لو ایک مسلمان سے قسم کیوں کھلواتے ہو، عدالت سے آکر منصور سے کہہ دیا کہ مجھ سے کسی طرح یہ کام نہیں ہوسکتا، اس پر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں۔ اس قید سے اُس وقت چھوٹے کہ جب قید حیات سے چھوٹے، اس مُدّت میں منصور اکثر ان کو قید خانہ سے بلالیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا تھا۔

امام صاحب کی وفات

منصور نے امام صاحب کو ۱۴۶ھ میں قید کیا، لیکن اس حالت میں اس کو ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا، طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے اُٹھ کر بغداد ہی کا رُخ کرتے تھے، امام صاحب کی شہرت دُور دُور تک پہنچ گئی تھی، قید کی حالت نے اُن کے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کہ اور زیادہ کر دیا تھا، بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی، ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو گو نظر بند کر رکھا تھا، لیکن کوئی امر ان کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا، قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا، امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ ہی میں ان سے تعلیم پائی، ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا، جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوایا دیا گیا جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا۔ اور اسی حالت میں قضا کی۔

ان کے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمنڈ آیا، حسن بن عمارہ نے جو قاضی شہر تھے غسل دیا۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و پیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا، یہاں تک کہ چھ بار جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر میت دفن ہوسکی۔

امام صاحب نے وصیّت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں مغصوب نہ تھی، اس وصیّت کے موافق خیزان کے مشرقی جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا، مورخ خطیب نے لکھا ہے، کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازے کی نماز پڑھتے رہے، قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی۔

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی جو کہ بڑی عظمت وشان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تھا، ۴۵۹ھ میں ان کی قبر پر ایک قبہ اور اس کے قریب ایک مدرسہ تعمیر کرایا ۔ غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا، کیونکہ نظامیہ کو تمام اسلامی مدرسوں کا باوا آدم خیال کیا جاتا ہے، یہ مدرسہ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔

مشہد ابو حنیفہ

یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے۔ مدت تک قائم رہا، اور بڑے بڑے نامور علما اس کے پروفیسر مقرر رہے۔ ۴۹۳ھ میں حکیم ابن حزلہ نے جو خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ میں وقف کیں، اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا، شائقین علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے ،ان کو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس وقت بغداد میں مشہدِ ابی حنیفہ کے سوئی کوئی زاویہ موجود نہیں جہاں سے مسافروں کا کھانا ملتا ہو۔ آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے۔

امام صاحب کی اولاد امجاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا ان کے کوئی اولاد موجود نہ تھی، چناچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلّم کو پانچ سو درہم نذر کئے، بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی، علم وفضل کے ساتھ بے نیازی و پرہیز گاری میں بھی لوگوں کا باپ کے خلف الرشید تھے، امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سامال واسباب امانت رکھا تھا، انھوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو پہنچادی جائیں، قاضی صاحب کو سپرد کرکے خود در پوش ہوگئے، اور اس وقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دے دی گئیں، تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی، نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا، ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں قضا کی، چار بیٹے چھوڑے، عمر اسمٰعیل، ابو حیان، عثمان۔

اسمٰعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ ، مامون الرشید نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا، جس کو انہوں نے اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا ۔ جب بصرہ سے چلے تو سارا چہر ان کی مشایعت کو نکلا، اور سب لوگ ان کی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج کل تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی، لیکن ان کی جسمانی اولاد بھی جابجا موجود ہے، خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جن کا سلسلہ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل ان کی میراث میں چلا آتا ہے۔

امام صاحب کے اخلاق حمیدہ

ہمارے تذکرہ نویسوں نے اخلاق وعادات کی جو تصویر کھینچی ہے، اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے، کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی۔ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، تیس برس تک متصل روزے رکھے، جہاں وفات پائی، اس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا، کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا، تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا، اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں، ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی، اسی طرح ایک شبہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا، ان کا ذاتی صرف، دس آنہ ماہوار تھا' یہ اور اس قسم کہ بہت سے افسانے ان کی نسبت

مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین انھی قصوں کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں، نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جب فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں، وہ بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن میں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں، لیکن اس قسم کے واقعات کے لیے ایسی سند درکار ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کے لئے جو قیدیں ضروری ہیں، ان سے بھی کچھ بڑھ کر، ساتھ ہی روایت کے اصول پر منطبق ہو، امام صاحب کی دانش مندی، دقیقہ سنجی نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے، جن کا ثبوت سمعی نہیں، عیانی موجود ہے، تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آ سکتا ہے، جو رہبانیت اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں۔

امام صاحب کے اوصاف ابو یوسف کی زبان سے

ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا جہاں تک میں جانتا ہوں، ابو حنیفہ کے اخلاق و عادوت یہ تھے کہ نہایت پرہیز گار تھے، منہیات سے بچتے تھے اور سوچا کرتے تھے، کوئی شخص مسئلہ پُوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے، نہایت سخی اور فیاض تھے، کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے، اہل دنیا سے احتراز تھا، دنیاوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے، غیبت سے بہت بچتے تھے، کبھی کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے، بہت بڑے عالم تھے، اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے۔" ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا، صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں"۔

امام صاحب کا حُلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسب سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا، میانہ قد، خوشرو اور موزوں اندام تھے، گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی، کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو، نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔

مزاج میں تکلّف تھا، اور اکثر خوش لباس رہتے تھے، کبھی کبھی سنجاب اور قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مسیطع بلخی ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن ان کو نہایت قیمتی چادر پہنے دیکھا، جس کی قیمت کم از کم چار سو ہو گی۔

اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں دیگر علما سے بالکل جُدا تھا۔ وظیفہ خوری کے مطالعہ میں امام ابو حنیفہ سرے سے مخالف تھے اور اس لحاظ سے ان کی مخالفت بجا بھی تھی، اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا، انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو، لیکن احسان وہ جادو ہے اس کے اثر سے بچنا ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسان مند نہ ہوئے اور اس وجہ سے ان کی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی، اکثر موقعوں پر وہ اس بات کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے۔

تجارت و دیانت

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی، لاکھوں کا لین سین تھا شہروں میں گماشتے مقرر تھے بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک جبّہ بھی ان کے خزانے میں نہیں داخل ہو سکتا تھا۔ اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان بھی اُٹھانہ پڑتا تھا، مگر ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی تھی، ایک دفعہ حفص بن عبد الرحمٰن کے پاس خز' کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے، خریدار کو جتا دینا حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا، تھان بیچ ڈالے اور خریداروں کو اس عیب سے اطلاع نہ دی، امام صاحب کو معلوم

ہوا تو نہایت افسوس کیا، تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کردی ایسے کئی واقعات آئے۔ اس احتیاط اور دیانت نے ان کے کارخانے کو بجائے اور نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تھا۔

فیاضی

تجارت اور اکتساب دولت سے ان کا مقصود زیادہ تر عوام کو فائدہ پہنچانا تھا، جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے، شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا اس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا، عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علما کے پاس بھجواتے، اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجت مند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔

شاگردوں کے ساتھ سلوک

شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے اس کی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے۔ بہت سے لوگ جنھیں مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں ملتا تھا، امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے، قاضی یوسف بھی انھی میں شامل ہیں۔ بہت سی روایت منقول ہے کہ جس میں امام صاحب نے اپنی رقم بھی معاف کردی اور دوسرے کا قرض بھی اتار کر آزاد کر دیا۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا تھا، چار ہزار درہم خود دیئے۔

ہمدردی اور ہمسائیگی کا لحاظ

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا اس کا معمول تھا کہ سن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا، کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوئے، خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا اور ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر کاتا۔

'' اضاعونی وای فتی اضاعو ‎ ‎ ‎ ‎ ‎ ‎ الیوم کریھۃ وسدادثغد''

یعنی لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کا آتا'' امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو سوتے کم تھے۔ اس کی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نہ کرتے، ایک رات کوتوال شہر ادھر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا کہ رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا، اسی وقت سواری طلب کی اور دارالامارۃ کا قصد کیا۔ امام صاحب نے کوفہ کے گورنر کو فرمایا کہ '' ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا ہے، کوتوال نے اس کو گرفتار کر لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کر دیا جائے۔ گورنر عیسٰی نے اسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا، امام موچی کی طرف مخاطب ہوئے کیوں ہم نے تم کو ضائع نہیں کیا'' یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا، آپ نے ہمسائے کا حق ادا کیا اس کے بعد اس نے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا، رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

والدہ کی خدمت

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی، لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو ان کی خدمت گزاری کا فی موقع ہاتھ آیا، کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحن کو حکم دیتیں کہ عمرو بن زرقہ سے پوچھ آؤ، امام تعمیل ارشاد کے لیۓ ان کے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے، وہ عذر کرتیٔ کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں، فرماتے کہ والدہ کا یہی حکم ہے، اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا تو امام صاحب سے درخواست کرتے، کہ آپ مجھ کو بتا دیں میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں ۔''

رقت طبع اور حفظ لسان

امام صاحب نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو نے تو بے تاب ہو جاتے۔ اپنے اوپر کوئی مصیبت آپڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا، عمّال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر ان کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی ان کے پائے ثابت کو لغزش نہیں ہوئی ، نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط واستقلال گویا مایہ خمیر تھا۔ بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ دروس میں بھی معمول تھا کہ شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے، جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جائے۔

غیبت سے پرہیز رکھتے، اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی پاک رکھا۔ ایک شخص نے کہا، حضرت !لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے ، مگر آپ سے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی۔ قسم کھائی برا جانتے تھے، اتفاق سے بھول کر کسی موقع پر قسم کھالی اس کے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دوں گا۔

ذکر وعبادات

نہایت مرتاض اور زاہد تھے ذکر وعبادت میں ان کو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق وخلوص سے ادا کرتے تھے" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے کے وقت طاری ہوتی اور گھنٹوں تڑپا کرتے ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا، امام نے نماز میں یہ آیت پڑھی۔ خدا کو ظالموں کے کردار سے بے خبر نہ سمجھنا، امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔

خیبی تنبیہہ

ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتارہے تھے، ایک شخص نے کہا کہ ابوحنیفہ خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو، امام صاحب پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ چہرے کی رنگت زور پڑ گئی، اس شخص کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا" بھائی خدا تم کو جزائے خیر دے، اگر مجھ کو یہ یقین نہ ہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کرے گا، کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا۔"

عام معمولات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے استفتا کے جواب لکھتے، پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا، جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلم بند کر لئے جاتے، نماز ظہر پڑھ کر گھر آتے، گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سوتے، نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس تعلیم کا مشغلہ رہتا باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے، بیماروں کی عیادت، ماتم پرسی اور غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا، مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا، نماز عشا پڑھ کر عبادت میں مشغول ہوتے، جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اُٹھ کر نماز عشا پڑھتے پھر رات تہجد اور درود وظائف میں گزرتی کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

استفتاء

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری ، قاضی ابن ابی لیلیٰ ، امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے، شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا ، ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا۔ مسئلہ یوں تھا کہ چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے دفعتاً ایک سانپ نکل آیا، اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا۔

اس نے گھبرا کر پھینک دیا۔ وہ دوسرے شخص پر جاگرا۔ اس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا اور یونہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مر گیا۔ اب دیت کس پر لازم آئے گی؟

اس مسئلے کے حل میں سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا، امام ابو حنیفہ چُپ تھے، آخر سب نے ان کی طرف خطاب کیا اپنا اظہار خیال ظاہر کیجئے، امام صاحب نے فرمایا، جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمّہ ہوچکا، اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے، اس کی دو حالتیں ہیں، اگر اس کے پھینکنے کے ساتھ ہی اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی، اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری ذمہ ہوچکا، اب اگر سانپ نے اس کو کاٹا تو خود اس کی غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزدستی کیوں نہ کی۔ ان کی رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی جودت طبع کی تحسین کی۔

امام صاحب کے بعض اشعار

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر، چنانچہ آپ سے یہ شعر منسوب ہے کہ:

من المروءۃِ للفتی ما عاش دارٌ فاخرہ

فاقنعْ من الدنیا بہا واعملْ لدارِ الآخرہ

"انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اس کو ایک اچھا مکان چاہیئے، ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

ایک دلچسپ فتویٰ

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے، امام سے ملے تو اپنا مسئلہ پوچھا، میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے، اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، لونڈی خرید تا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے، فرمائیے کیا تدبیر کروں، امام ابو حنیفہ نے برجستہ کہا کہ تم اس کو ساتھ لے کر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اس کا نکاح پڑھادو۔ اب اگر وہ آزاد کر دے گا تو نہیں کر سکتا، کیونکہ لونڈی اس کی ملک نہیں، طلاق دے گا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی،، سعد کہتے ہیں کہ مجھ کو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔

امام صاحب کے مُصنّفات، خیالات، اجتہادات، نظریات

فقہ اکبر

عقائد کا ایک مختصر رسالہ ہے، مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے، یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے، لوگوں نے اس پر شرحیں لکھی ہیں۔ فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن ہم شکل سے اس پر یقین کر سکتے ہیں یہ جس زمانہ کی تصنیف ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ نیز دوسری، تیسری بلکہ چوتھی صدی تک کی تصنیفات میں کہیں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ ہزاروں شاگردوں میں سے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ لہذا ایک مشتبہ کتاب کو تسلیم کرنا انتہائی مشکل ہے۔

ایک اور کتاب العالم والمتعلم سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے افکار

حدیث اور اصول حدیث کے بارے میں امام صاحب کا مسلک

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے ، تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدّث کے لقب سے مشہور نہیں ہوئے۔ بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایت دونوں کے جامع تھے، لیکن شہرت اسی صفت کے ساتھ ہوئی، جو ان کا کمال غالب تھا، امام ابو حنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں تعجّب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے، نہ ان کی تصنیفوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا، امام احمد بن حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آور ہیں۔ ان کی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا لیکن جس قدر حدیث و روایت میں ان کا زیادہ اعتبار ہے اسی قدر استنباط اور اجتہاد میں ان کی نام آوری کم ہے، علاّمہ طبری نے جو خود بھی محدّث اور مجتہد تھے مجتہدین میں ان کا شمار نہیں کیا ، قاضی ابن عبدالبر نے کتاب الانتقاء فی الثلثۃ الفقہا میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے، امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی، امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ " امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا" اگرچہ امام احمد بن حنبل کی نسبت گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے تاہم ان کے اجتہاد پر اتفاق عام نہ ہوا۔

مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ جمہتید و محدّث مواعظ و قصص ، فضائل و سیر ، ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقار کرتا ہے ، بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر صرف ان احادیث سے غرض ہوتی ہے ، جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے ، یہی سبب ہے کہ محدّثین کی یہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایۃ ہوئے موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔

خلفائے اربعہ کی قلت روایت

اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی ، قصص سیر وغیرہ میں ان کی نظر چنداں وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا، لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابو حنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی، اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے۔ ابو بکر صدیقؓ سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں ان کی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں، ان کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں، عمر فاروقؓ سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں، حضرت عثمانؓ اور جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے، بخلاف ان کے حضرت ابو ہریرہؓ سے ۵۳۴۶ انس سے ۲۲۸۶، عبداللہ بن عباسؓ سے ۲۲۶۰ ، جابرؓ سے ۲۵۴۰ اور عبداللہ ابن عمرؓ سے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳ حدیثیں مروی ہیں۔

امام بخاری نے روایت کیوں نہیں قبول کی؟

حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا، اس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لئے کم گنجائش تھی ، علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ

تھا '' الایمان قول و عمل '' اگر یہ صحیح ہے تو امام ابو حنیفہ کو ان کے دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی تھی، البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا، اس بات میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے شہرت عام کے مقابلے میں تحقیق کی پروانہ کی اور جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے ان میں امام ابو حنیفہ کا نام بھی ہے تاریخ میں جہاں ان کا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

محدّثین میں وہ گروہ تھے

علم حدیث کے درس تدریس میں دو فرقے قائم ہوگئے تھے، ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا، اور کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا۔ پہلا فرقہ اہل الروایتہ اور اہل الحدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کہلائے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

محدث ذہبی نے امام ابو حنیفہ کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے

امام ابو حنیفہ کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، امام ابو حنیفہ کو جس بات نے تمام ہم صروں میں امتیاز یہ کہ احادیث کی تنقید، اور بلحاظ ثبوت احکام ان کے مراتب کی تفریق امام ابو حنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام فنون میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی، صحابہ دور دور پہنچ گئے تھے، ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں، نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے، ان اسباب نے حدیث و روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی۔

تدلیس و تلبیس

غرض امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات، اغالیط، ضعاف، مدرجات سے بھرا ہوا تھا، اس وقت امام بخاری و مسلم نہ تھے، جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے، امام ابو حنیفہ کو مہمات فقہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہ ہو سکے تاہم انھوں نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و ضوابط قرار ہوئے۔ ان کی اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہیں، یہاں تک کہ محدثین نے ان کو مشدد فی الروایتہ کا لقب دیا ہے۔

امام صاحب نے روایت کے لئے کیا شرطیں مقرر کیں؟

ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ابو حنیفہ معتزلہ کی طرح احادیث کے منکر تھے، یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے ان کے شاگردوں نے خود ان سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں موطا امام محمد کتاب الآثار، کتاب الحج جو عام طور پر متداول ہیں، ان میں بھی امام صاحب سے بیسوں حدیثیں مروی ہیں، البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے، اور اس کی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے، امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں کچھ ایسی ہیں جن میں وہ منفرد ہیں، یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین انکے ہم زبان ہیں۔

ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ '' صرف وہ حدیث حجت ہے، جس کو راوی نے اپنے کان سے سنا ہو، اور روایت کے وقت یاد رکھا ہو '' یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے، جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس کی تفریعیں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں۔ اکثر شیوخ کا حلقہ درس نہایت وسیع ہوتا تھا۔ جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سنکر حدیث روایت کرتے تھے۔ ان بحث یہ

پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں ، اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں۔

امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے۔ بے شبہ مستملی کے مقرر کرنے کا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا، کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جس قدر قوی ہوتی تھی، دوسرے واسطہ میں اس کا وہ پایہ نہیں قائم رکھنا ضروری تھا کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چل سکتا تھا، لیکن ناانصافی تھی کہ جس شخص نے بلاواسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو، دونوں کا ایک ہی درجہ قرار دیا جائے۔

ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شخص سے کچھ حدیثیں سُنیں اور قلمبند کرلیں تو ان جزا سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے، اس کو اس قدر وسعت دی گئی کہ راوی کو ان حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بنا پر کہ اجزار اس کے پاس موجود ہیں ، ان کی روایت کر سکتا ہے ، امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا ، لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں۔

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یک سونہ ہوا، تابعین کے وہ گروہ تھے اور خود امام ابوحنیفہ کے استاد الاستماد روایت بالمعنی کے قائل تھے، آگے چل کر تو گویا اس پر اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے، چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے، مجتہدین میں سے صرف امام مالک اس کے خلاف ہیں محدثین کا ایک گروہ جن میں امام مسلم۔ قاسم بن محمد، محمد بن سیر بن رجار بن حیوۃ، ابوزرعہ، سام بن ابی الجعد، عبد المالک بن عمر و داخل ہیں، روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا، لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہیں ۔ اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنیٰ حدیثیں روایات کیں اور اکثر شروع سے یہ قید لگائی جائے تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ تقریباً ناممکن ہے۔ تاہم کُتب حدیث میں اس کی متعدد نظریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے مطلب میں کمی یا زیادتی ہو گئی۔

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابو حنیفہ کے اصول

امام ابو حنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا، جو حدیثیں ان کے زمانہ سے ہی بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں ان کے قبول سے چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بے کار ہو جاتا، اس لئے امام صاحب نے ان حدیثوں کو قبول کیا، لیکن یہ قید لگائی کہ رواۃ حدیث فقیہہ ہوں یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں، امام صاحب نے ان احادیث کو قبول کیا، جن کے رواۃ ثقہ ہیں ، اور فقیہ نہ ہو ں ، لیکن ان کا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور ان میں اصول روایت کی زیادہ ضرورت سمجھی ، امام صاحب کے ان اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا حاصل یہ ہوا کہ امام ابو حنیفہ روایت بالمعنی کو جائز رکھتے تھے۔

اصول روایت

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابو حنیفہ نے یہ کیا کہ روایت کے اصول قائم کیے اور ان کو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا۔ فن حدیث کی شاخ یعنی روایت پر ہمارے علمانے جس قدر توجہ کی، اس کی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ یہ عزت صرف امام ابو حنیفہ کو حاصل ہے کہ

اس فن کا نام ونشان بھی نہ تھا، اس وقت ان کی نگاہ ان باریک نکتوں پر پہنچی ۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول روایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابو حنیفہ کے لیے دلیل راہ بنے ، لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی گم اور ناپید تھیں کہ ان پر عام لوگوں کی نگاہ نہیں ہو سکتی تھی۔ روایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضاد، زمانہ کی خصوصیات، منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے، اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا ہے تو اس کی صحت بھی مشتبہ ہو گی، یعنی یہ احتمال ہو گا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے، اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق وتنقید میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور انہی کا نام اصول روایت ہے ، علاّمہ ابن جوزی جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں

جو حدیث عقل قطعی مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں، یہ وہی قاعدہ ہے جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے، ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے، لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جُرم عظیم تھا، امام صاحب نے اوّل اوّل جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی، اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں، امام صاحب کے سامنے پیش کی جاتی تھیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے، یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا، زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ اصول حدیث میں داخل کر لیا گیا، لیکن ارباب روایت نے اس کو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسوں من گھڑت حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

امام صاحب حدیث کے مقابلے میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے تھے

امام ابو حنیفہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی، حدیث پر استدلال کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ "اگر اس بارے میں اگر آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا۔"

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابو حنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے، لیکن ان شرطوں کے ساتھ حدیث ہو تو ان کے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں۔

قیاس کے ایک اور معنی

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابو حنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا ، لیکن ان کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور بے شبہ ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے، مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے۔ ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہیں ہیں، جس کا حل یہ ہے کہ حسن وقبح اشیاء عقلی نہیں ہے ، جبکہ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں، جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اس کے اشارے پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جن کی مصلحت ہم کو معلوم نہیں۔ لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابو حنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی، وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت، احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کی گفتگو نہیں ہو سکتی، قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے، حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے تو چنداں فرق نہیں وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر متلو، جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے، اگر کوئی حدیث اسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو، جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے، لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں اور احکام کے ثبوت میں انہی تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے ۔ محدثین نے حدیث کی جو تقسیمیں کی ہیں یعنی صحیح، حسن، ضعیف، مشہور، عزیز و غریب وغیرہ، ان کے اختلاف مراتب سے احکام پر چنداں اثر نہیں پڑتا۔ ضعیف کے علاوہ باقی اقسام کو قریباً یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے حدیث کے ثبوت کی نوعیت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

متواتر اور خبر واحد

۱۔ متواتر یعنی وہ حدیث کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں اس کثرت سے ہوں کہ ان کے تواتر علی الکذب کا گمان نہیں ہو سکتا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ سے بے شمار لوگوں نے روایات کی ہو۔ اسی طرح ان لوگوں سے اخیر زمانے تک بے شمار رواۃ روایت کرتے ہوں۔

۲۔ مشہور یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں تو بہت نہ ہوں، لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے لیے مشروط ہے۔

۳۔ احاد جو متواتر اور مشہور نہ ہو۔

اس تقسیم کا اثر ان کے رائے کے مطابق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہو سکتی ہے، مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے اس لیے فرضیت کا اثبات تو نہیں ہو سکتا لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس سے زیادۃ علی الکتاب بھی ہو سکتی ہے۔ احاد چونکہ ظنی ہے اس لیے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر پیدا نہیں کر سکتیم یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض محدثین اس کے مخالف ہیں۔

قوی سے قوی اعتراض جو اس مسئلہ پر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ اس کے پابند نہ ہو سکے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادہ نہیں ہو سکتی، امام محمد نے کہا ہاں، امام شافعی نے کہا کہ قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے، آپ حدیث کی بنا پر وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں۔

غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی مناقب الشافعی سے لی ہے، جس میں اور بھی بے سروپا روایتیں مذکور ہیں، لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں واشت کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا، بلکہ خود قرآن مجید اس آیت سے جس میں توریث کے احکام ہیں، یہ صرف حنفیوں ہی کی رائے نہیں ہے بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے۔

اخبار احاد کی حیثیت

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا بھی مذہب ہے، کہ وہ ظنی الثبوت ہیں، لیکن ایک فرقہ اس کے خلاف بھی ہے جس کے سر گروہ علامہ ابن الصلاح ہیں اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام حدیثوں کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے، انھوں نے صحیح حدیث کی سات قسمیں کی ہیں ،(۱) جس پر بخاری مسلم دونوں متفق ہوں (۲) بخاری منفرد ہوں (۳) مسلم منفرد ہوں (۴) بخاری و مسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو، لیکن ان کی شرطوں کے موافق ہو (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہوں (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہوں (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے موافق نہ ہو لیکن اور محدثین نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہو، ان سات قسموں میں سے علامہ ابن الصلاح پہلی قسم کر قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں وھذا القسم جمیعہ مقطو بصحۃ و العلم النظری واقع ۔ متفردات بخاری و مسلم کی نسبت ان کی رائے ہے کہ اسی قبیل میں بجز ان چند حدیثوں کے جن پر دار قطنی وغیرہ نے جرح کی ہے، ابن الصلاح کا قول اگرچہ ظاہر بینوں میں اور بالخصوص آج کل زیادہ رواج پا گیا ہے، لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے اور خود ائمہ حدیث اس کے مخالف ہیں ۔ علامہ نوری شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کر کے لکھتے ہیں کہ " شیخ ابن الصلاح نے ان موقعوں پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثروں کی رائے کے خلاف ہے، کیونکہ محققین اور اکثروں کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی ہیں، صرف ظن کی مفید ہیں کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ ان سے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس باب میں بخاری و مسلم اور لوگ سب برابر ہیں۔" ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے، لیکن ہم اس بحث کو لفظی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے، ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا ظن۔

احادیث کے ظنی الثبوت ہونے کی تحقیق

کسی حدیث کو جب ایک محدّث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے، تو اس کا یہ دعویٰ در حقیقت چند ضمنی دعووں پر مشتمل ہوتا ہے، یعنی یہ کہ روایت متصل ہے، اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ضابطہ لقلب ہیں، روایت میں شذوذ نہیں ہے۔ کوئی علت قادحہ نہیں ہے، یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں جب پر یقین کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔ جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کر کے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور قسم کی صحت یقینی نہیں ہوتی۔ کیونکہ استنباط میں مقدمات سے اس نے کام لیا ہے، اکثر اس کے ظنیات ہیں اسی طرح حدیث کا حال ہے، کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے، ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے اور دوسرا شخص اس کی صحت نہیں تسلیم کرتا، تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس محدّث یا محدثین کے اصول تحقیق، قواعد استنباط، طریق روایت غرض ان کے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے۔

حدیث کی تحقیق و تنقید کے لیے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جن پر احادیث کی صحت کا مدار ہے، سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان میں خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں، ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے (نہ عقلی) لیکن جس شخص نے اصولِ حدیث پر غور کیا ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے، اس نکتہ کی طرف امام ابو حنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ، ھذا الذی نحن فیہ رای لایخبر علیہ احد اولا نقولہ یجب علی احد قبول بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اس رسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا، لیکن ان کو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

صحت اور عدم صحت پر اختلاف

اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونے کا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں باہم اختلاف ہوتا ہے، ایک محدّث ایک حدیث کو نہایت صحیح، مستند، واجب العمل قرار دیتا ہے، دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدّث ابن جوزی نے بہت سی

حدیثوں کو موضوع لکھ دیا ، علامہ سخاوی لکھتے ہیں، ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے ، دوسری کتابوں کا ذکر کیا ہے'' بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی ، لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے ، جس کا حاصل اسی قدر ہے کہ انھوں نے بخاری یا مسلم کے صحیح اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تک ثابت ہو، لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے گئے ہیں، ان میں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں ۔ صحابہ کے ان الفاظ کو ''یہ امر سنت ہے، ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا، ہم تھا کہ اس بات سے روکے گئے تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے، یا ہم اس کو بڑا نہیں سمجھتے تھے،'' اکثر نے مرفوع قرار دیا ہے، اور بعضوں نے یہاں تک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے ان کو لفظوں سے روایت کر دیا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا'' حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہیں جس کی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ صحابی کی سمجھ [فہم] کوئی دلیل نہیں''۔ اس بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا یہ الفاظ اتصال و رفع کے لئے کافی نہیں ہیں۔ امام شافعی ابن حزم ظاہری ابو بکر راضی اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ یہ فعل سنت ہے حدیث مرفوع نہیں قرار دیا، کتب سیر و احادیث میں بیسوں مثالیں ملتی ہیں جن میں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کئے وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود ان کا قیاس و اجتہاد تھا ، لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا ۔اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اس کی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کر دی ، جس کی وجہ سے ایک عام شبہ پیدا ہو گیا۔

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے اخبار احاد کا تمام تر مدار رجال پر ہے، لیکن رجال کی تنقید و توثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے، ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ، نہایت متدین، نہایت راست باز سمجھتے ہیں، اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الرواتیہ، غیر ثقہ، نا قابل اعتبار خیال کرتے ہیں ۔ لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبہ کے ہوتے ہیں ، جن کی عظمت و شان سے انکار نہیں کیا جا سکتا، امام بخاری و مسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں ہے ، تاہم بہت سے رواۃ ہیں جن کو ان دونوں اماموں میں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہیں سمجھتا، علامہ نوری نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھے ہیں، اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح میں ان سے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے۔

اسی طرح میزان الاعتدال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں رواۃ ہیں جن کی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا۔ کسی شخص کے ان اوصاف و عادات پر مطلع ہونا جن کا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑ سکتا ہے، مدتوں کی ملاقت اور تجربہ پر موقوف ہے۔ اگرچہ محدثین نے ان معارضات کے رفع کے لیے بھی کچھ اصول قرار دیے ہیں لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں۔ اس کی مشہور مثال جابر بن جعفی ہیں جن کے بارے میں مختلف محدثین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔

ادائے مطلب

ان امور کے بعد تا دیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے ،مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موفق متصل بھی ہے رواۃ بھی ثقہ ہیں شذوذ بھی نہیں ہے ، لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے۔ کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا، موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں۔ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی، چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہیں، اس لئے ان احتمالات کو

زیادہ قوت ہو جاتی ہے، صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور ان کی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھی، صحیح مسلم باب القیم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھ کو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ مل سکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو، عمارؓ موجود تھے، انھوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے کہا "اے عمار خدا سے ڈرو" ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے، لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمارؓ کے کہا کہ "اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو میں یہ حدیث نہ روایت کیا کروں۔" اخبار احاد کی بحث کو ہم نے قصداً اس لئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر رور قدح کرتے ہیں، حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور وقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں، متواتر اور مشہور میں ان بحثوں کا مساغ نہیں، انہی وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہو گئیں، معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا، ان کے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا، صرف شرط یہ لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں اور انقطاع و شذوذ علت نہ ہو، بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی رکھتے، امام ابو حنیفہ نے اس بحث میں کو مسلک اختیار کیا، وہ نہایت معتدل اور ان کی وقت نظر کی بڑی دلیل ہے، انھوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا، نہ ظاہر بینوں کی طرح خوش اعتقادی سے اس کی قطعیت تسلیم کی۔ امام صاحب کی یہ رائے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے۔

خبر واحد قطعی نہیں

حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن مسعودؓ نے متعدد مواقع پر خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے۔ جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے، فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لاسکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ 'ایک کتاب عورت کی روایت کی بنا پر جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اس نے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہیں سکتے'، فقہی احکام میں اس قاعدہ کی بہت سی جہات ہیں، مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے، اس لئے وجوب تسنن، استحباب ثابت ہو سکتا ہے، اسی بنا پر نماز میں قرات فاتحہ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ واجب، اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

اس قاعدہ کا اثر کلام کے مسائل پر

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے اور یہی چیز ہے جس نے ایک زمانہ کو امام ابو حنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا، امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں ان کے خلاف اخبار احاد قابل اعتبار نہیں، مثلاً انبیا کی عصمت، اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے، اس کے برخلاف جن روایتوں سے انبیا کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے، امام ابو حنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتیں قابل نہیں، اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہے۔

فقہ حنفی اور اس کے خصوصیات و ممیزات

اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، مغازی ان کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی، لیکن جس وقت تک ان کو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوئے، دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی کہلائے، چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابو حنیفہ کو ملا، جو در حقیقت اس لقب کے سزاوار تھے۔

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ رسول ﷺ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے، اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے، صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے، نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے، جس طرح رسول ﷺ، کو نماز پڑھتے دیکھا، خود بھی پڑھ لی، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا، لیکن انھوں نے رسول ﷺ کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا، اور آپ نے اس تحسین کی یا اس سے نارضامندی ظاہر کی اس قسم کے فتوے اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت ﷺ کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی، اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا، مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا، اب بحث یہ پیش آئی کہ ''نماز ہوئی یا نہیں'' اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا، صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں، کتنے مسنون اور مستحب، اس تفریق کے لیے جس اصول قرار دیئے جاسکتے تھے، ان پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا، اس لئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئی۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان کا عین واثر بھی پایا نہیں گیا تھا، صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع حمل النظیر، قیاس سے کام لینا پڑا، ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے، اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔

اگر ہم فقہ حنفی کی فکری بنیادیں تلاش کرنا چاہیں تو اس کا آغاز ابتدائی دور میں عبداللہ بن مسعود اور ان کے بعد ان کے شاگردوں سے ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ حدیث کی تعلیم دیتے تھے، اکثر صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ علقمہ، اسود ان کے نہایت نام آور شاگردوں سے تھے۔ علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی۔ ان کے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت حماد کو ملی، حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی اور لوگوں نے ان کی جگہ امام ابو حنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

تلامذہ جو فقہ تدوین میں شریک تھے

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا، وہ نہایت وسیع اور پُر خطر کام تھا، اس لئے انھوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا، اس غرض سے انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور اشخاص منتخب کئے، جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے

لئے ضروری تھے، استاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے، امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا مسئلہ پیش کیا جاتا تھا، اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلم بند کرلیا جا تا جاتا اور نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے، اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلم بند کرلئے جاتے، اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جلسہ جمع نہ ہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیاجائے، اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا، امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گزری، وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہااور مختلف مسائل تحریر کئے جاتے رہے تاآنکہ ایک ضخیم مجموعہ بھی تیار ہوگیا۔

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسب قبول حاصل کیا کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے جس قدر اس کے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اس کی اشاعت ہوتی جاتی تھی، امام صاحب کی درسگاہ ایک قانونی مدرسہ تھا، جس کے طلبہ نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوئے اور ان کے آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا، تعجب ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعوٰی تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے، امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے امام صاحب کی کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔

اگرچہ اس میں کسی طرح شبہ نہیں ہوسکتا کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہوگئے تھے، رجال وتاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے، جس کا انکار گویا تواتر کا انکار ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہوگیا ہے اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ ''ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی، امام رازی نے ۶۰۲ھ میں انتقال کیا اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوگئے کہ امام ابو حنیفہ کی تصنیفات کا ضائع ہوجانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں، اس ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں، امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہیں۔

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے، لیکن در حقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابو حنیفہ، زفر، قاضی، ابو یوسف، امام محمد کی آراء کی مجموعہ ہے۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں۔ نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے، عرب میں تو چنداں ان مسائل کو رواج نہ ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے، لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشائے کوچک تک تھی، عموماً انہی کا طریقہ جاری ہوگیا۔ نیز ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی وہ بھی اکثر حنفی فقہ کے ہی پابند تھے۔

حنفی مذہب کے حسن قبولیت کا سبب

بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا، ابن حزم کو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں، ان کا قول ہے کہ ''دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا کہ ایک ابو حنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضا کا منصب ملا

تو انھوں نے حنفی لوگوں کو عہدہ قضا پر مقرر کیا، دوسرا امام، مالک کا مذہب اندلس میں _____ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحیٰی اصمودی خلافہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بھی ان کے مشورے کے عہدہ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا، وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔"

امام ابو حنیفہ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے، قاضی ابو یوسف نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا کیونکہ ان کے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا، قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پچاس برس کا زمانہ گذر چکا تھا، جس میں امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور ان کے سینکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے، اس کا میابی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے، یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا، لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا، امام مالک مدینہ کے رہنے والے تھے جو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی، ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا، امام مالک نے جب حدیث و فقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف ان کی ذاتی قابلیت کا طرہ بن کر نمایاں ہوگئے اور تمام اطراف و دیار میں ان کی شہرت کا سکّہ جم گیا۔

امام شافعی کو اور بھی زیادہ خصوصیتیں حاصل تھیں، مکہ معظمہ وطن تھا، باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے، ان کا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز اور ممتاز چلا آتا تھا۔ ان کے پر دادا صاحب جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے، اور گرفتار ہو کر اسلام لائے تھے، مکہ ولایت، خاندان کا اعزاز، رسول اللہ ﷺ کی ہم نسبی، ایسی چیزیں تھیں جن سے بڑھ کر حسن قبول اور مرجعیت کے لئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

امام ابو حنیفہ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی، قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے، خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گذرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدار ہوتا، آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی کوفہ جو ان کا مقام ولادت تھا گو دارالعلم تھا، لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ہمسر کیونکر ہو سکتا تھا، باوجود اس کے ان کی فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا، ایجاد کے زمانہ میں جتنی قدر کسی فن کی حالت ہو سکتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو امام ابو حنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی تھی، اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی، فوجداری، تعزیرات لگان، مال گذاری، شہادت، معاہدہ، وراثت، وصیت اور بہت سے قوانین شامل تھے اس کی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوشک تک پھیلی ہوئی تھی، انہی اصول پر قائم تھی اور اس کے عہد کے تمام واقعات اور معاملات انہی قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

مسائل فقہ کی تفسیر

یہ قانون جس کو فقہ کہتے ہیں دو قسم مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اس کی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔

1. وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں، اور تشریعی احکام کہے جاسکتے ہیں۔
2. وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے، اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں یا جن کا ذکر شریعت میں ہے، لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابو حنیفہ میں جمع کر دی تھیں، کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں

علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام امام صاحب نے جو کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

1. جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔
2. جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں۔

فقہ حنفی تعزیرات وقوانین ملکی کی حیثیت سے

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے ، پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جس میں امام ابوحنیفہ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں ، بلکہ سچ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی شخص واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابوحنیفہ ہیں۔ان کی مجلس افتا بہت بڑی عدالت عالیہ تھی ، جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا، وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت امہات امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے، ان کے شاگرد اور ہمنشین جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے۔وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس کے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔

اب ہم ان خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہیں ، جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہے حنفی فقہ کے مسائل کا دوسری فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے ، معاملات تو معاملات عبادات میں بھی ، جس کی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اس میں عقل کو دخل نہیں امام صاحبؒ کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ نماز، روزہ، حج، ذکوۃ، شریعت میں کب مصلحتوں سے فرض کئے گئے ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہو گا، جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے، لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصل غرض کیا ہے۔یعنی خضوع اظہار تعبد، اقرار عظمت الہی، دعا، اور اس کے حاصل ہونے میں کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے۔ان افعال کے مراتب مختلف ہیں ، بعض لازمی اور ضروری ہیں ، کیونکہ ان کے نہ ہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے ، ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے ، بعض افعال ایسے ہیں جو طریقہ ادا میں صرف ایک حسن و خوبی پیدا کرتے ہیں، لیکن ان کے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی ، ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور ان کو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے ، جو اس کے ہم معنی ہیں ،مثلاً اللہ اعظم اللہ اجل ۔ جبکہ امام شافعی کے نزدیک نہیں ہو سکتی ۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے،امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی ۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے ، وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے ، امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں ، ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لئے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات سے استدلال کیا ہے۔چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں ، ہمارا مطلب ہے کہ امام ابو حنیفہ کے وعدوں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحات اور اشارے موجود ہیں ، اسی طرح عقلی وجوہ بھی ان کی صحت کے شاہد ہیں ، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار و مصالح کو نہایت و قیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوۃ کے مسائل اور فقہ حنفی

زکوۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے، زکوۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے، اسی لئے زکوۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیے گئے ہیں۔ جو سب سے زیادہ ہمدردی کا اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں، یعنی فقراء، مساکین، عمال زکوۃ، مولفۃ القلوب، مقروض، مسافر غازی، مکاتب۔ امام شافعی نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوۃ ادا نہ کی جائے، فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا، بخلاف اس کے امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے، باقی یہ امر کہ ان لوگوں میں سے سب کو دی جائے یا بعض کو، یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور سہل ہونا

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ 'خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔'' رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ '' میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں'' اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔

امام ابو حنیفہ نے جس وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے اس کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے، لیکن تفصیل کے لئے نہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش ہے، تاہم اس لئے نمونہ کے طور پر ہم مسائل نکاح کا ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کے مسائل

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے اور نہ نکاح بوجہ اس کے کہ تمدن و معاشرت کے دو بڑے بڑے نتائج اس پر متفرع ہوتے ہیں معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ نکاح کے مسائل جب اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں :

1. کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہئے۔
2. معاملہ نکاح کس کے اعتبار سے ہونا چاہئے۔
3. اس کی بقا و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔
4. فریقین کے حقوق کیا قرار دیئے جائیں۔
5. نکاح کب دستورات اور رسومات کے ساتھ عمل میں آئے۔

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے، تھوڑے سے اختلافات کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے، ہر قوم نے چند محرمات قریباً تمام مذہبوں میں مشترک ہیں، جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے، مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اس عورت سے ناجائز نہیں ہے امام شافعی نے اس کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا، امام ابو حنیفہ اس کے بالکل مخالف ہیں، ان کے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر

جو فطری اثر پڑھتا ہے، وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اس کو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں ، اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زناہی سے ہو اس کے ساتھ نکاح اور مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصولِ فطرت کے خلاف ہے۔

معاملہ نکاح میں اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ و نکاح کا مختار کون ہے اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے ، امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے بلکہ اگر نا بالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا تو بالغ ہو کر نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے ، یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے ، یہ اسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط معاملہ قرار دیا جائے ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے، امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے ، انھوں نے طریقہ انعقاد تعین مہر، ایقاع طلاق ،لفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دیئے ہیں ، ان سب میں اصول سے کام لیا ہے۔

اس بات میں سب سے مقدم ان کا یہ مسئلہ ہے کہ جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے ، طلاق دینا حرام ہے، ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اس کا طریقہ ایسا رکھا ہے ، جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو۔ یعنی یہ کہ طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہوتا ، اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہ ہو اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ ہر فریقین کی بر ہمی کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہے تو مجبوراً طلاق دے، طلاق کے بعد اس کو مہر ادا کرنا ہو گا اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہو گی،اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے گذر بسر اوقات کے لئے اس کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے،اس بات میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں ہم ان کو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حالت میں اس کے قائم دکھنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔

۲۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں

۳ ۔امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے ، جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مرد بے دریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرات کر سکتا ہے اور عورت کو باوجود اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور بارار رہے گی، سخت تکالیف کا خدشہ ہے۔

۴۔ امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔

۱۔ جب تک فریق کی حالت میں استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔

۲۔ ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے

۳۔مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی ، اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرات نہ ہو، کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لئے ہے جس کو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔

۴۔ خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔

۵۔ امام شافعی و مالک کے نزدیک بعض وجوہات سے سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔	۵۔ جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔
۶۔امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔	۶۔اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہوجائے تو عورت کو میراث ملے گی۔
۷۔امام شافعی کے نزدیک حرام ہے ، گویا وہ بائنہ ہو چکی ۔	۷۔ طلاق رجی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے ، یعنی نہ وحبیت کا تعلق ایسی معمول بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔
۸ ۔ امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔	۸۔رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ، ہر فعل جس سے رضا مندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی دی جائے تاکہ رجعت بادنیٰ مسامحت ہو سکے۔
۹۔ امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔	۹۔ رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ، ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعبت کی مدت قریب الانقضار ہے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔

دستورات نکاح

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کب دستورات کے ساتھ عمل میں آئے، امام ابو حنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دیئے ہیں یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جن سے ظاہر ہو کہ انھوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے ، یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں ، جو ہر موقع پر اسر عمال کی جاسکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اس کے ان شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جب کی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہیں ، ورنہ نکاح صحیح نہیں ، عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاص کر امام شافعی نے بیان کئے ہیں ۔ اس کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدھ عادل ہو سکتا ہے ، اس لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جائے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈے سے نہ مل سکے ، امام شافعی امام احمد بن حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہی مرد ہوں ، لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہے ، امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص ترویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں ۔

ذمیوں کے حقوق

ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ذمیوں یعنی ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ۔ لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں ، نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہی خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں جابجا موجود ہے ۔ تاہم کچھ شبہ نہیں کہ جو تعبیر امام ابو حنیفہ نے کی ہے وہی صحیح ہے ، اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے اور اس کی حدود حکومت میں سینکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ہیں ، اس لئے اگر ان کے حقوق کی واجبی حفاظت نہ لی جائے تو ایک دن بھی امن قائم نہیں وہ سکتا ۔ امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے ، امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے ۔

امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ ان کے نزدیک ابو بکر صدیقؓ کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے، لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں، بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا، مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا، اسلام کو اس کے انصاف پر ناز ہو سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کے لئے اور جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں، وہ تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں، ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں، اور ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائے گا، جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے۔

اس قسم کے اور احکام ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عموماً تمام معلومات میں ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر قرار دیئے ہیں۔ اب اس کے مقابلہ میں اور ائمہ کے مسائل احکام ایسے سخت ہیں۔ جن کا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبھ سکا، مصر میں بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا، لیکن اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔ اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں، جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس لئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے، ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ وضع اور لباس میں مسلمانوں کی ہمسری نہ کریں صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و بے رحمانہ احکام ہیں، لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے، اور نہ امام ابو حنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

فقہ حنفی اور احادیث کی مخالفت

ان وجود کی بنا پر اگرچہ ہم صرف ان مسائل پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضروری ہے، جس سے بدگمانی کو سوظن کا موقع ملتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا، اس لئے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے۔ امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں، لیکن جب جمع ہو چکیں، اس وقت بڑے بڑے محدثین ان کے مسائل کو کیوں صحیح تسلیم کرتے رہے اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں۔

باب الجنایات

جنایات کے باب میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں ان کی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابو حنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی، زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے، اسلام نے نہایت خوبی سے اس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھ کر نہ کبھی ہوئے نہ ہو سکتے ہیں۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا، غلام اور آزاد میں ایسا بے رحمانہ تفرقہ کرنا، دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں، حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا مومن کے حق میں استعمال کئے، وہی ان لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے۔ تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ اداجرنا کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دی کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے۔ لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا، پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ

لازم نہیں آتا، امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطاکے ساتھ مخصوص ہے ، قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔

وراثت

وراثت کے احکام میں جو نہایت مہتم باشان ہیں،ان مسائل میں امام ابو حنیفہ نے جو پہلوں اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے، اسلام نے نہایت دقت نظر سے ان نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کے ساتھ ہیں اور اسی نسبت سے تین درجے کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔

امام صاحب کے شاگردان رشید

امام صاحب کے بے شمار شاگردوں میں سے ہم ان چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے ہیں جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم ان میں سے صرف چند اشخاص کانام معلوم کر سکے،یعنی :

1. قاضی ابو یوسف
2. زفر
3. اسد بن عمر
4. عافیۃ بن یزید
5. داؤد الطائی
6. قاسم بن معین
7. علی بن مسہر
8. یحیٰی بن زکریا
9. حبان بن علی
10. مندل بن علی

چنانچہ ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں، ان کے علاوہ بعض ان شاگردوں کا ذکر بھی ضروری ہے جو حدیث و رجال کے فن میں اہم وقت تھے۔

امام صاحب کے وہ شاگرد جو محدث وقت تھے

فن رجال کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا، پھر ان کے بعد ان کے شاگرووں نے اس فن میں گفتگو کی اور ان کے بعد شاگردوں یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے حدیث میں ۔ان کا یہ پایہ تھا کہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل ،علی ابن المدینی وغیرہ مودب کھڑے ہو کر ان سے حدیث تحقیق کرتے،حدیث میں جو ان کا پایہ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محدثین ان کو امیر الو منین فی الحدیث کے لقب

سے پکارتے تھے، خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی " صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی مائدہ

مشہور محدث تھے ،جو حفظ الحدیث کہلاتے تھے، چنانچہ یحییٰ کو بھی انہی لوگوں میں داخل کیا ہے، تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے، کوفہ میں اوّل جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں۔

وکیع بن الجرّاح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں ، امام احمد بن حنبل کو ان کی شاگردی پر فخر تھا، اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے۔ اور انہی کے قول کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔

داود طائی

خدا نے عجیب حسن قبول دیا تھا کہ صوفیہ ان کو بڑا مرشد کامل مانتے ہیں، تذکرۃ الاولیا میں ان کے مقاماتِ عالیہ مذکور ہیں، فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ ان کے تفقہ اور اجتہاد کی قائل ہیں ۔

امام صاحب کے شاگردوں میں جو فقہ کے امام بنے

قاضی ابو یوسف

ان کا نسب انصار سے ملتا ہے، ان کے مورث اعلیٰ سعد بنؓ جبتہ رسول ﷺ کے اصحاب میں سے تھے، ان کے باپ ایک غریب آدمی تھے، اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے ، کوفہ میں پیدا ہوئے، ان کو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، لیکن باپ کی مرضی نہ تھی، تاہم جب قاضی صاحب موقع اور فرصت پاتے، علما کی صحبت میں جا بیٹھے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ ان کے باپ پہنچے، اور وہاں سے زبردستی اٹھالائے، گھر پر آکر سمجھایا کہ " بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے، تم ان کی ریس کیوں کرتے ہو" قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا ، امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے، ان کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی ۔ امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی، اس طرح برابر ان کو مدد دیتے رہے ،یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم و کمال حاصل کیا ، اور استاد وقت بن گئے، خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے، ابو حنیفہ محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے۔

امام صاحب جب تک زندہ رہے ، قاضی صاحب ان کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے، قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے اگرچہ ان کی شہرت زیادہ تو ترتیب فقہ میں ہوئی، لیکن اور علوم میں بھی وہ اپنے آپ ہی نظیر تھے۔

امام محمد

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں، امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اس کا اندازہ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ '' امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے، انہی کا قول ہے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا، امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے''

امام محمد کے حلقہ درس سے اگر چہ بہت سے علما تعلیم پاکر نکلے لیکن ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ امام محمد کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور ان کی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں، لیکن وہ تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ امام محمد کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں ، اور آج فقہ حنفی کا مدار ان ہی کتابوں پر ہے۔

مبسوط۔ اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے ان یہ مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا، یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر۔ مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی ، اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابویوسف کی روایت سے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں ۔کل ۵۳۳ مسئلے ہیں جن میں سے ایک سو ستر مسائل کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے ، اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

1. جن کا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔
2. اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں، لیکن ان کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابو حنیفہ کے مسائل ہیں، اس کتاب میں تصریح کردی ہے۔
3. کتابوں میں مذکور تھے، لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے ، ان سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں ، اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں، جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے، اس میں امام ابو حنیفہ کے اقوال کے ساتھ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں ۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہے، متاخرین حنیفہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تو اسی کتاب کے طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں۔ بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شرحیں لکھیں ۔

زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اس میں درج کئے۔

کتاب الحج امام محمد ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہاں وہ کر امام مالک سے موطا پڑھی، اہل مدینہ کا طریقہ جدا تھا، بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس میں اول وہ ابو حنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان کرکے حدیث ، اثر ، قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ کا مذہب صحیح ہے۔

سیر صغیر و کبیر یہ سب سے اخیر تصنیف ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ امام محمد کی اور تصنیف بھی فقہ میں موجود ہیں ۔

امام زفر

فقہ میں اگر چہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور ان کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں صاحب الحدیث کہلاتے تھے، پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا، ان کو خاص کر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا، قضا کا عہدہ بھی ان کو ملا تھا۔